





چک قاسم کا تحصیل و ضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان



سیرت سیدنا علی المرتضیٰؓ

مؤلف

محمد طاہر بھٹی چک قاسم کا

چک قاسم کا تحصیل و ضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

نام کتاب==========سیرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ

صفحات ========= ۱۵۴

قیمت ========= 0

موبائل نمبر

03477172726 , 03183625575

پتہ

چک قاسمکا تحصیل وضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عرض مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُ [۱]

تمام تعریفیں اس عظیم ذات کے لیے ہیں۔ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پیدا فرمایا۔ اور اپنی حکمت سے اس کو قدرت گویائی دی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا۔ اور آغاز بعثت میں کفار کی ایذاء رسانی سے آپ کو آزمایا۔ اور درود کاملہ نازل ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین پر۔

خلفائے راشدین کے دور کی تاریخ درس وعبرت سے بھری پڑی ہے۔ اگر اس تاریخ کو ضعیف و موضوع روایات، مستشرقین اور ان کے دم چھلوں یعنی سیکولرازم کے پرستاروں اور روافض وغیرہ کے نظریات سے ہٹ کر ہم اس کو بحسن وخوبی پیش کر لے گے اور اس میں اہل سنت کے طریقہ عمل پر اعتماد کیا تو گویا اہل سنت کے نقطہ نظر سے اس کو پیش کرنے میں ہم کو کامیابی مل جائے گی اور ان پاکباز شخصیتوں کی زندگی اور ان

۱۔ سنن نسائی باب: (خطبہ جمعہ کی کیفیت کا بیان ۱٤۰۵) سنن الدارمی/ النکاح ۲۰ (۲۲۴۸) (صحیح)

کے دور کی خوبیوں کو ہم اچھی طرح پہچان لیں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

{وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ}

جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی۔ اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ (9-التوبۃ:100)

اور ارشاد فرمایا:

{مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا}

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں اور آپس میں رحم دل، (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں۔ (48-الفتح:29)

اور ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِينَ بُعِثْتُ فِيهِمْ، [١]

"بہتر میری امت میں وہ قرن (زمانہ) ہے جس میں میں بھیجا گیا ہوں،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ" [٢]

میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر قائم اور جمار ہے اور میری اس نصیحت کو اپنے دانتوں کے ذریعے مضبوطی سے دبا لے"۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوہ حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شان اور فضائل بے شمار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے لاڈلی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا شرف بھی حاصل ہے۔

اما المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ علم کا جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں علی رضی اللہ عنہ کی محبت نہ ہو۔ ایک اور موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

١۔ صحیح مسلم حدیث نمبر: 6473

٢۔ سنن ابی داود/السنة ٦ (٤٦٠٧)، (ترمذی 2676) (صحیح)

فرمایا کہ جس نے علیؓ سے دوستی کی اس نے اللہ سے دوستی کی اور جس نے علیؓ سے دشمنی مول لی اس نے اللہ سے دشمنی مول لی۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کو یہ شرف حاصل ہے حضور نبی کریم ﷺ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ ؓ نے اسلام قبول کیا۔جس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان قریش کی ایک دعوت میں کیا تو قریش کے تمام سرداروں نے آپ ﷺ کی دعوت کو جھٹلا دیا مگر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے کمسن اور کمزور ہونے کے باوجود اعلان کیا کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کا ساتھ دوں گا۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ نے آپ ؓ کو اپنا بھائی بنایا اور آپؓ کو بوقت ہجرت اپنے بستر پر لٹایا اور آپ ؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔آپؓ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں نہ پایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟“ وہ بولیں: مجھ میں اور ان میں کچھ باتیں ہوئیں وہ غصے ہو کر چلے گئے اور یہاں نہیں سوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا: ”دیکھو علی کہاں ہیں؟“ وہ آیا اور بولا: یا رسول اللہ! سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے وہ لیٹے ہوئے تھے اور چادر ان کے پہلو سے الگ ہو گئی تھی اور (ان کے بدن سے) مٹی لگ گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹی پونچھنا شروع کی اور فرمانے لگے: "اٹھ اے ابوتراب، اٹھ اے ابوتراب۔" (مسلم)

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس جانثار کے حالات واقعات تحریر کرنے پر میری مغفرت فرمائے اور مجھے حقیقی معنوں میں دین اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا کرنے والا بنادے۔ آمین

احقر

محمد طاہر بھٹی الحنفی چک قاسمکا

نام، نسب، خاندان

علی نام، ابوالحسن اورابوتراب کنیت، حیدر (شیر) لقب،[۱] والد کا نام ابوطالب اوروالدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مروہ بن کعب بن لوی، چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علی ؓ نجیب الطرفین ہاشمی اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

خاندانِ ہاشم کوعرب اورقبیلہ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی وہ محتاجِ اظہار نہیں، خانہ کعبہ کی خدمت اوراس کا اہتمام بنوہاشم کامخصوص طغرائے امتیاز تھااوراس شرف کے باعث ان کوتمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے والد ابوطالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیرحمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا، ابوطالب ہرموقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے اورسرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے پنجۂ ظلم ستم سے محفوظ رکھا۔

مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی اورحمایت کے باعث ابوطالب اوران کے خاندان کوطرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں ان کو

۱۔(صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا)

محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے، کھانا پینا تک بند کر دیا، غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اُٹھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو خدمت وحمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو، اس لئے ابو طالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی، ابوطالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا۔ [۱]

سیرت ابن ہشام میں حضرت عباس ؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے، بہر حال ابو طالب نے گو اعلانیہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا، اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علی ؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ ؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ ؓ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت ومحبت سے پرورش کی، مستند روایات کے مطابق وہ

۱۔ (سیرت ابن ہشام ج۱: ۲۲۸)

مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔ [۱]

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابو طالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے؛ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب نے علی رضی اللہ عنہ کو پسند کیا؛ چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ [۲]

اسلام اور ہجرت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لئے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے؛ چنانچہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو مصروفِ عبادت دیکھا، اس مؤثر نظارہ

۱۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج۵:۵۱۷)

۲۔ (زرقانی جلد۱:۲۸۰)

نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا، آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصبِ گرامی کی خبر دی اور کفر وشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کیا، اپنے والد ابو طالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لئے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو؛ لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہیٰ شامل ہوئی، اس لئے زیادہ غور وفکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابو بکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن حارثہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے؛ لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عورتوں میں، حضرت ابو بکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظّمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس

لئے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم وارشاد کے مجمعوں میں، کفار ومشرکین کے مباحثوں میں اور معبودِ حقیقی کی پرستش وعبادت کے موقعوں پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لئے اعلانیہ خدا کا نام لینا اوراس کی عبادت وپرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے، حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے، ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابو طالب کا گزر ہوا، اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں؛ لیکن مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ [۱]

انتظام دعوت

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین برس تک اعلانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی؛ بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے، چوتھے سال کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا؛ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ "اپنے قریبی اعزہ کو (عذابِ الٰہی سے) ڈراؤ"

۱۔(اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی؛ لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہوسکتا تھا، ابولہب نے کہا: تبًّا لکَ ، اسی لئے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی؛ لیکن انہوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا، دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں تھے، لوگ کھانے سے فارغ ہوچکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر فرمایا: ''یا بنی عبدالمطلب: خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا وآخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟ اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علی مرتضی کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے، اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یاور اور دست و بازو بنوں گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا؛ لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر آٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارِ گراں کا اٹھانا کسی

نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جاں بازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔" (۱)

ہجرت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے؛ لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض وعناد سے دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو اسیر پنجۂ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا؛ چنانچہ چند نفوسِ قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہوگئے ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کرکے ہم سے انتقام لیں، اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کا دشمن بنادیا؛ چنانچہ ایک روز مشورہ کرکے وہ رات کے وقت کاشانۂ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رخصت کردیں؛ لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہوجائے، اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہوسکتا ہے، اس لئے وحی الٰہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی

۱۔(طبری:۱۲۷۲)

اطلاع دیدی اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

فدیت وجان نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئس برس کی تھی، اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت وجاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے، رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون واطمینان کے ساتھ محوِ خواب رہا، غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکہ میں رہے کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی استراحت فرما ہیں، صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے؛ لیکن یہاں یہ دیکھ کر وہ متحیر ہو گئے کہ شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف سو رہا ہے، مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش وجستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاروبار اور لین دین تھا، ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے، اس

زمانہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے اس لئے حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جا کر روکش ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا۔ (۱)

تعمیر مسجد

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا؛ بلکہ آزادی وحریت کی سرزمین میں تھا جہاں ہر شخص اعلانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علیؓ اینٹ اور گارہ لا لا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے:

لا یستوی من یعمر المساجد یدائب فیہ قائما وقاعدا ومن یری عن الغبار حائدا

جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گردوغبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔" (۲)

غزوۂ بدر

۱۔(ابن سعد تذکرہ علیؓ:۱۳)

۲۔(زرقانی ج۱:۴۲۶)

سلسلۂ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے، اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا، جب رزمگاہِ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ؓ کو چند منتخب جان بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کرلیا، سترہویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی، قاعدہ کے موافق پہلے تنہا مقابلہ ہوا، سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبازر طلب ہوئے، تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام نسب پوچھا، جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے نوجوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لئے، حمزہ ؓ، علی ؓ، اور عبیدہ ؓ تینوں اپنے حریفوں کے لئے میدان میں آئے، حضرت علی ؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کردیا، اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہ ؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا، مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کردیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہوگئی، شیر خدا نے صفیں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی

طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا، مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔ [۱]

حضرت فاطمہؓ سے نکاح

اسی سال یعنی ۲ھ میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک ذرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ ذرہ کو فروخت کر دو، حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔ [۲]

۱۔ (دیکھو سیرت ابن ہشام غزوہ بدر)

۲۔ (زرقانی ج ۲: ۴)

رخصتی

نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو؛ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔ [۱]

جہیز

حضرت سیدہ زہراؓ کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا اس کی کل کائنات یہ تھی، ایک پلنگ ،ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوت ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ وزاہدانہ تھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوت ولیمہ کے لئے کچھ رقم جمع کرنے کا

۱۔(اصابہ ج۸: ۱۵۸)

ارادہ تھا؛لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حالت نشہ میں اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا۔[۱]

اس لئے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو ذرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھی؛ چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیز اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا؛لیکن یہ اس زمانہ کے لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔[۲]

غزوۂ احد

سنہ ۳ھ میں اُحد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا؛لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکا یک ٹوٹ پڑے، اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے، اسی حالت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا، دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خندق میں گر پڑے۔[۳]

مشرکین ادھر بڑھے ؛لیکن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حیدر کرار رضی اللہ عنہ

۱۔(اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے)

۲۔(زرقانی ج۲:۸)

۳۔(بخاری باب غزوہ احد)

نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار، ابوسعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لئے للکارا، شیرِ خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا، حضرت علیؓ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آ گیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔

مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علی چند صحابہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے گئے، حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا اور حضرت علیؓ نے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔

بنو نضیر

غزوہ احد کے بعد ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث جلاوطن کیا گیا، حضرت علیؓ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ خندق

۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے، ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا، حضرت علیؓ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا، سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علیؓ نے اپنے کو پیش کیا، اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیرِ خدا نے کہا: لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا، اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر

تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ ①

کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کئے رہے؛ لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اوراستقلال کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔

بنو قریظہ

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا، اس لئے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ کی، اس مہم میں بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔

بنو سعد کی سرکوبی

۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی اعانت کے لئے مجتمع ہو رہے ہیں، اس لئے حضرت علیؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے ماہِ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔

۱۔(سیرت ابن ہشام، ۲/ ۹۸)

صلح حدیبیہ

اسی سال یعنی ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرام ؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے، حضرت عثمان ؓ گفتگو کے لئے سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک لیا، یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ؓ کے انتقام کے لئے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علی ؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا، اور طرفین نے مصالحت پر رضا مندی ظاہر کی، حضرت علی ؓ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا، انہوں نے حسب دستور: ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی، مشرکین نے ’رسول اللہ‘‘ کے لفظ پر اعتراض کیا اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا؛ لیکن حضرت علی ؓ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور عرض کیا، خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مٹا سکتا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔

فتح خیبر

۷ ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکر ؓ اور ان کے بعد حضرت عمر ؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے؛ لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے، صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش اس فخر وشرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا؛ لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرار ؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی، کیونکہ حضرت علی ؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی۔ [۱]

مرحب

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علی ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنالوں؟ فرمایا نہیں؛ بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ تمہاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لئے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔ [۲]

لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت اور رسوائی لکھی

۱۔(سیرت ابن ہشام کتاب المغازی غزوہ خیبر)

۲۔(سیرت ابن ہشام کتاب المغازی غزوہ خیبر

تھی، اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اوران کا معزز سردار مرحب بڑے جوش وخروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا۔

قد علمت خیبرانی مرحب شا کی السلاح بطل مجرب

خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سلح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں

اذالحروب اقبلت تلھب

جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ النظرہ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اورڈراؤنا

اوفیھم بالصاع کیل السدرہ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کردیتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا۔ [۱]

اس کے بعد حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کرلیا۔

مہم مکہ

۱۔(صحیح بخاری جلد ۲: ۱۰۳ مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرو)

رمضان ۸ ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لئے روانہ ہوگئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، زبیرؓ، اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔ اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی ؛لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے خط حوالہ کردیا اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاتم بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرد جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یارومددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشاوکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ بیان کیا ہے؛ لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیجئے کہ اس منافق

کی گردن اُڑادوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔" [۱]

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰/ رمضان ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ داخل ہوئے، جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ" آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، نہیں ایسا نہ کہو آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں؛ چنانچہ وہ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ [۲]

مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہوگیا اور وقت آگیا کہ خلیل بت شکن کی یادگارِ (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانۂ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے، سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت

۱۔(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح)
۲۔(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح)

تلاوت فرماتے جاتے تھے''وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل:۸۱) پھر خانۂ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی مورتیوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے۔ [۱]

لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتیوں سے اٹا ہوا تھا اس لئے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لئے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی؛ لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انہوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہوگئی۔ [۲]

ایک غلطی کی تلافی

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنو حذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے توحید کی دعوت دی، بنو حذیمہ نے اسے قبول کیا؛ لیکن

۱۔(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح)

۲۔(حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے؛ لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قریب عقل ہے، ہجرت کی ایسی نازک رات میں جبکہ جان خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے، دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہے)

اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے صبانا صبانا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا منشا سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس غلطی کی تلافی کے لئے روانہ فرمایا، انہوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے معاوضہ خوں بہا دیا۔ [1]

غزوہ حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی؛ لیکن جب وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پا کر پھر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے؛ بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔ [2]

۱۔(فتح الباری ج۸:۴۶)

۲۔(سیرت ابن ہشام ج۲:۲۶۷ و مستدرک حاکم ج۳:۱۰۹)

اہل بیت کی حفاظت

سنہ ۹ ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لئے فرمایا، علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔" [۱]

تبلیغ فرمانِ رسول

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا، اسی اثناء میں سورۂ برأت نازل ہوئی، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورۃ ابو بکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لئے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے؛ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد ہے وہ مدتِ مہینہ تک

۱۔(بخاری کتاب المناقب مناقب علیؓ)

باقی رہے گا۔ (۱)

مہم یمن اور اشاعتِ اسلام

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے، لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعت اسلام میں کامیاب نہ ہوسکے، اس لئے رمضان ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں، ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لئے نہایت دشوار ہوگا، ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی'' اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کردے'' اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرقِ مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ (۲)

حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا، جو لوگ خالدؓ کی چھ مہینہ کی سعی وکوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صرف چند روزہ تعلیم وتلقین سے اسلام کے شیدائی ہوگئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہوگیا۔ (۳)

۱۔(سیرت ابن ہشام ج ۲:۲ ۳۴)

۲۔(زرقانی، ۳/ ۱۲۲)

۳۔(فتح الباری ج ۸:۱۵۲)

حجۃ الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا، حضرت علیؓ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

صدمۂ جانکاہ

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، حضرت علیؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمار داری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، ایک روز باہر آئے، لوگوں نے پوچھا، اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا، حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، خدا کی قسم! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لئے خلافت کی وصیت کر جائیں، حضرت علیؓ نے کہا، میں عرض نہیں کروں گا، اگر خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ [1]

دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲/ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا، حضرت علیؓ چونکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین

۱۔ (صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تھے، اس لئے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔ [۱]
انصار ومہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خلیفۂ اول کی بیعت توقف کی وجہ

سقیفۂ بنوساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کرلی، البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب وغریب وجوہ اختراع کر لئے ہیں؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنادیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی ودلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے؛ چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوگیا اس وقت انہوں نے خود حضرت ابوبکرؓ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کرلی۔ [۲]
سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے، نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا؛ لیکن انہوں

۱۔(مستدرک حاکم ج ۳:۱۱۱)
۲۔(بخاری غزوہ خیبر)

نے منظور نہیں کیا، بیت المقدس گئے تو کاروبارِ خلافت انہی کے ہاتھ دے کر گئے۔ [۱]
اتحاد و یگانگت کا عالم اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہوگیا، یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ وفساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے ان کو رفع کرنے کے لئے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش وہنگامہ کی حقیقی وجہ اوراس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انہوں نے نہایت خلوص اورآزادی سے ظاہر کردیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کے بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کوملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھران سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علی مرتضیٰؓ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اورگرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں، آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کاروائیاں کرتے ہیں اورآپ کوخبر بھی نہیں ہونے پاتی، رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربارِ خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑا۔ [۲]

۱۔(تاریخ ابن خلدون ج ۲: ۱۰۲ وطبری فتح المقدس)

۲۔(تاریخ طبری: ۲۹۳۸)

سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، حضرت عثمان ؓ نے ان سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرادیں اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کردیں، پہلے تو انہوں نے انکار کیا؛ لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمان ؓ کے اصرار سے مجبور ہوکر درمیان میں پڑے اور حضرت عثمان ؓ سے اصلاحات کا وعدہ لیکر انقلاب پسندوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کردیا، مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کردیا جائے، مصری اس غداری سے غضبناک ہوکر واپس آئے اور حضرت علی ؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربارِ خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علی ؓ نے فرمان دیکھا تو تعجب ہوئے اور حضرت عثمان ؓ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی، انہوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی حضرت علی ؓ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہوسکتی تھی لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا؛ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزلت نشین ہوگئے۔

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب ودانہ سے بھی محروم کردیا، حضرت علی ؓ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف

اسلام؛ بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے، کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب ودانہ سے محروم نہیں کرتے، اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کردیا حضرت علیؓ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے۔ [۱]

محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی، وہ سمجھے کہ جس طرح حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے، تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لئے بھیج دیا، جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے؛ لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کرڈالا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حددرجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے، ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی، حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا مارا، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

خلافت، فتوحات اور شہادت

۱۔(ابن اثیر جلد ۳:۱۲۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لئے سخت اصرار کیا، انہوں نے پہلے اس بارِ گراں کے اٹھانے سے انکار کردیا؛ لیکن آخر میں مہاجرین وانصار کے اصرار سے مجبور ہوکر اٹھانا پڑا۔ [۱]

اوراس واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ / ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جناب علی مرتضیٰ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلے کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اوران کوسزا دینا تھا؛ لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں جواس کے سوا کچھ نہ بتاسکیں کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دوآدمیوں کے ساتھ جن کووہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں، اندر آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برات ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے؛ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جملہ سے محجوب ہوکر پیچھے ہٹ آئے، البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کووہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے، غرض تحقیق وتفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لئے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت کوئی کاروائی نہ کرسکے۔

۱۔(طبری:۳۰۱۰)

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لئے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا، سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لئے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا، قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے عہد کر لیا ہے

کہ جب تک اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں، قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عبسی نے اس کے جواب میں کہا'' تمہارا برا ہو! کیا تم مہاجرین وانصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمانؓ قمیص یوسف علیہ السلام ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوب

علیہ السلام کی طرح غم ہے، اگر شام میں اس قدر اس کو اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرا قضیہ نامرضیہ پیدا ہو گیا یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے ان سے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے؛ لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لیکر اسلام کی عزت بچاؤ۔[۱]

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ وفساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیر بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کئے، انہوں نے بھی شوروغوغہ کی داستان سنائی، ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہوئی اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدنظمی پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون وانصار بنانا اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام

۱۔(طبری:۳۰۹۸)

عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لئے کافی تھا، انہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کو بھی حضرت عثمان ؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا؛ چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہوگئیں، عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہوکر مکہ میں پناہ گزین تھے، نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتد بہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نو آبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔

سفر عراق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامر ؓ نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گذارش کی کہ دار الخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، عمر فاروق ؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں؛ لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا، اگر اُس وقت خالد ؓ، ابوعبیدہ ؓ، سعد وقاص ؓ، ابوموسیٰ اشعری ؓ نے شام و ایران کو تہ و بالا کر دیا تھا تو اِس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں، حضرت علی ؓ نے فرمایا، یہ صحیح

ہے ؛لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے پر ہیں، اس لئے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفرِ عراق کے لیے تیار ہوجائیں، چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے، ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حضرت امام حسنؓ کا سفرِ کوفہ

یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کررہے تھے کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لئے ہتھیار بے کار کردو اور بالکل عزلت نشین ہوجاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس اثنا میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔

اس کے بعد منبر پر کھڑے ہوکر لوگوں کو امیرالمؤمنین کی مساعدت پر آمادہ کیا، حجر بن

عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے حضرت امام حسن ؓ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المؤمنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ وفساد کی آگ کو سرد کردو میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔

غرض حضرت امام حسن ؓ اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علی ؓ کی اعانت پر آمادہ کردیا اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسن ؓ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی،

جناب امیر ؓ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا، اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علی ؓ کا طرف دار تھا اور تیسرا حضرت عائشہ ؓ اور حضرت طلحہ ؓ وغیرہ کا حامی ،خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی ؛ بلکہ ہر فریق کے نیک نیک لوگ اس کی تائید میں تھے، حضرت علی ؓ اور حضرت عائشہ ؓ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہوجائیں، صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کرچکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل

تھی، حضرت علیؓ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہؓ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہوگئی تو ان کی خیر نہیں، اس لئے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شبخون مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکہ دیا،

ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہؓ اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئی کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں، حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش وخروش تھا، قلب فوج میں ان کا ہودج تھا، محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہ وزبیرؓ کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگ جمل

دوران جنگ میں حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا ''ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کیا تھا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یاد کرو، اس وقت تم سے حضور صلی انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم

اس سے ناحق لڑو گے'' حضرت زبیرؓ نے جواب دیا، ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔[۱] یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے فرمایا، جان پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلا دی کہ تمام جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا تم بھی میرا ساتھ دو؛ لیکن حضرت عبداللہؓ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں،

حضرت طلحہ نے حضرت زبیر کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا، یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا، زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا، اب میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی، ام المومنینؓ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں،

نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنوضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل، ازد اور بنوضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرارؓ کو حیرت تھی، عبداللہ بن زبیر اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر

۱۔(مستدرک حاکم ج ۳:۳۶۶)

پکڑلی، مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی، اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا۔[۱]

بصرہ کا شہسوار عمرو بن بحرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا اور ابن بحرہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

یاامان یاخیرام نعلم والام تغذ وولم ھاوترحم

اے ہماری بہترین اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے

الاترین کم جوادلک تختلی مامتہ وا لمعصم

کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کئے جاتے ہیں اور ان کی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے

آخر کار حضرت علیؓ کی فوج کے مشہو شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ وسنان کے ردل وبدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے۔

اونٹ کے سامنے بنوضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سدِ سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اس نے پشت نہیں پھیری اور یہ رجز ان کی زبان پر تھا:

الموت احلی عندنا من العسل نحن بنوضبۃ اصحاب الجمل

موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں

۱۔(طبری ۱۸۶؍۳ ومستدرک حاکم ج ۳: ۳۶۶)

نحن بنوالموت الذالموت نزل ننعی ابن عفان باطراف الاسل

ہم موت کے بیٹے ہیں، جب موت اترے ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلا رہے ہیں

ردوا علینا شیخنا ثم بجل

ہمارے سردار کو ہم کو واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی، اس لئے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، اونٹ بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علیؓ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں، پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دن تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت واحترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لئے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشائعت کے لئے بھیجا۔

حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی

کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب ۳۶ھ سنیچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲/ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا؛ لیکن زہد وقناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میرے لئے بس ہے؛ چنانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہوکر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاو پرہیز گاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہوگیا۔ لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں مگر ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو توہین ہوئی اس نے علی مرتضیٰ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کردیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے طرفداری اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؓ مدینہ کو سیاسی شر وفتن سے بچانے کے لئے عراق کو دارالحکومت بنایا تھا؛ لیکن اس کا کوئی مفید

نتیجہ مرتب نہیں ہوا اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی اور خود حضرت علیؓ مرکز اسلام سے دور ہوگئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لئے مضر ثابت ہوا۔

بہرحال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سرنو نظم ونسق قائم کیا، حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، بجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کرکے بھیجا، خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے؛ چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کرکے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا، جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف وکرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسن سے نکاح کردیں، اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو، اگر خود جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؓ نے انکار کیا اور اسے آزاد کردیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا؛ لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کرکے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا، اشتر نے موصل میں قیام کرکے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ کردی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

صلح کی دعوت

اگرچہ حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اس تمام حجت کے لئے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں روسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا، پھر بآ بانگ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا:

''تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لئے منتخب کیا ہے، ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا، اس لئے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبر و اطاعت پر مجبور کیا جائے گا، پس تم مہاجرین وانصار کی اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے، اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔''

حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا، ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش

کرنے کے بعد رنج کے طور پر گذارش کی کہ اگر عثمان ؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، فضل وکمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، جناب امیر ؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا، ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ ببانگ بلند کہا، ہم سب عثمان ؓ کے قاتل ہیں، ابو مسلم نے مستعجب ہو کر بارگاہ خلافت میں عرض کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے، حضرت علی ؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمان ؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہ ؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آجائیں اور حضرت عثمان ؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی، عمرو بن العاص کو علیحدہ لکھا کہ دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو؛ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی؛ لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی، اس لئے مصالحت اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علی ؓ کو مجبور ہو کر قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال وحکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لئے بلایا، اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا۔

معرکۂ صفین

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہ ؓ کی طرف سے ابوالدعور سلمیٰ نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، علوی فوج کے افسر زیاد بن النفر ااور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی اثنا میں اشتر نخعی کمک لے کر پہنچ گئے، ابوالدعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے اس لئے رات کی تاریکی میں فوج کو ہٹالیا اور امیر معاویہ ؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی ، انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے، گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلمی کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لئے کشمکش

ابوالدعور نے اس حکم کی تعمیل کی؛ چنانچہ حضرت علی ؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علی ؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کرلیا جائے؛ چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لئے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے ؛لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی، حضرت علی ؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی ،سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا، ابولدعور نے دیر تک ثبات واستقلال کے ساتھ مقابلہ کیا عمرو بن العاص ؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی؛لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا، آخر کار شامی دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہوگیا، اب

جو وقت امیر المومنین کی فوجوں کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی؛ لیکن جناب مرتضی کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دیدی۔ [۱]

چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔

میدانِ جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لئے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی؛ لیکن کامیابی نہ ہوئی دونوں طرف علماء، فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی، اس اثنا میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا؛ لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا، غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولی تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے؛ لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الآخر کے شروع میں جنگ

۱۔(ابن اثیر جلد ۳:۵ ۳۳)

چھڑ گئی۔

آغاز جنگ

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح وشام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت وخون کے بعد اپنے فرودگاہ پر واپس جاتی تھی، فوج کی کمان حضرت علیؓ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشترنخعی، حجر بن عدی، شبث ربعی، خالد بن المعمر ہ، زیاد بن النضر ، زیاد بن حصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے، یہ سلسلہ جمادی الآخر کی آخر تاریخوں تک جاری رہا؛ لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعتہً دونوں طرف سے جنگ رک گئی، اس التواء سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا؛ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے امیر معاویہ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی:

حضرت ابولدرداءؓ: تم علیؓ سے لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہ: میں عثمانؓ کے خون ناحق کے لئے لڑتا ہوں

حضرت ابوالدرداء: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کردیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہؓ کی شرائط سے مطلع کیا، اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ ''ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں''، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا، آغاز سفر سے پھر از سرنو جنگ شروع ہوگئی اور اس قدر خونریز لڑائیاں پیش آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہوگئے، پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آکر اپنی فوج کے سامنے نہایت پرجوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لئے ابھارا، تمام فوج نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، حیدر کرار خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت وخونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے، صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی

گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرہ ارض تھرا رہا تھا اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لئے جنگ ملتوی ہوئی، حضرت علیؓ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا ’’جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائیگا، پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت تک نہایت جانبازی ،شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا؛ لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے، قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے، اشعث ابن قیس نے اعلانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا، رومی شام میں ہمارے اہل وعیال پر قبضہ کرلیں گے، اس طرح ایران دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے، ،تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرہ پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ ’’اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے، بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہئے ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں

اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لئے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے؛ لیکن اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آراء ہوئے؛ لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، عمرو بن العاص نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یہ علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی؛ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحفِ اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو پانچ آدمی بلند کئے ہوئے تھے، اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا، حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن اوہم ، میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا گروہِ عرب! خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے، دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے، اسی طرح ابوالدعور سلمیٰ اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور بآنگ بلند کہا'' اے اہل عراق یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے، اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور سے حملہ کر دیا؛ لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہو گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے

ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہئے، کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن المعمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی، لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں؛ لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لئے باوجود سعی وکوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہئے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی؛ بلکہ خود جناب امیرؓ کا مقابلہ کرے گی، معربن فدکی، زید بن حصین، سنبی اور ابن الکواء اس جماعت کے سرگروہ تھے، اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کیا امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں؛ لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہئے، غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا، اشترنخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے، اس لئے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن مذکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنہوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت وخون کی نوبت پہنچ جائے؛ لیکن جناب امیرؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت وگذشت کر دیا۔

التوائے جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط وکتابت شروع ہوئی اور طرفین کے علماء ،فضلاء کا اجتماع ہوا اور بحث ومباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد

کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے، شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص ؓ کا نام پیش کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابوموسیٰ اشعری کا نام لیا، حضرت علی ؓ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو تجویز کیا، لوگوں نے کہا عبداللہ بن عباس اور آپ تو ایک ہی ہیں، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہئے، اس لئے جناب امیر ؓ نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا، اشعث بن قیس نے برافروختہ ہوکر کہا'' جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے، اس وقت تک ہم اس کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا، حضرت علی ؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابوموسیٰ اشعری کے علاوہ اور کسی پر رضا مند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ جنگ سے کنارہ کش ہوکر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لئے مجتمع ہوئے، کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ہذا ما قضی علیہ امیر المومنین، امیر معاویہ ؓ نے کہا اگر امیر المؤمنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاص ؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے، لیکن احنف ابن قیس اور حضرت علی ؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا، فدائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے

،صلح حدیبیہ (ذوقعدہ ۶ ھ) میں رسول اللہ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لئے جس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا، اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں، غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سر برآوردہ آدمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے۔

''علی ؓ، معاویہ ؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری ؓ) اور عمرو بن العاص قرآن پاک اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس وپیش نہ ہوگا، اس لئے دونوں حکم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں، حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرہویں صفر ۳۷ ھ چہارشنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سناتے ہوئے جب غزہ کے فرودگاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کہ شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارے گئے، اسی طرح قبیلہ مراد

اور بنوراست اور بنوتمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا، بنوتمیم کے ایک شخص غزوہ بن اُدیہ نے اشعث سے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہا جائیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا، بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی، محرز بن خنیس نے عرض کیا، امیر المومنین اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو، غرض ایک معتد بہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا بالاتفاق حکمین کے لئے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دیا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی جو اپنے ورع وتقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے، تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لئے دومۃ الجندل میں آئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابوموسیٰ اشعرؓ اور عمرو بن

العاص ؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے؛ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اعلانیہ پیشن گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا، بہرحال دونوں حکم حسب قرارداد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، عمرو بن العاص ؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ان کی غیر معمولی تعظیم وتوقیر شروع کی تعریف وتوصیف کے پل باندھ دیئے، اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

ابوموسیٰ ؓ: عمروؓ تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاص ؓ: وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ ؓ، عبداللہ بن عمر ؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے، ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے۔

عمرو بن العاص ؓ، معاویہ ؓ میں کیا خرابی ہے؟

ابوموسیٰ ؓ، معاویہ ؓ نہ تو اس منصب جلیل کے لئے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظم ؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمرو بن العاص ؓ، میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ ؓ، بیشک تمہارا لڑکا صاحب فضل ومنقبت ہے؛ لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک

کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب ابن طیب عبداللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے، بس آؤ انہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔

عمرو بن العاصؓ: ابوموسیؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیؓ، عمروؓ! تمہارا برا ہو، کشت وخون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ وفساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاصؓ، پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰؓ، ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاصؓ، مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورہ بالا قرارداد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبداللہ بن عباسؓ نے ابوموسیٰؓ کے پاس جا کر کہا" خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت غدار ہے، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے، ابوموسیؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسی اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، انہوں نے عرض کیا میں آپ پر

سبقت نہیں کرسکتا ،آپ فضل ومنقبت میں،سن وسال میں،غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں۔

حضرت ابوموسی ؓ پرعمروبن العاص ؓ کا جادو چل گیا؛چنانچہ آپ بغیر پس وپیش کے کھڑے ہوگئے اورحمد وثنا کے بعد کہا'' صاحبو! ہم نے علی ؓ اور معاویہ ؓ دونوں کو معزول کیااور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کوانتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے،ابوموسی اپنافیصلہ سنا کرمنبر پر سے اترے عمروبن العاص نے کھڑے ہوکر کہا'' صاحبو!علی ؓ کوجیسا کہ ابوموسیٰ ؓ نے معزول کیامیں بھی معزول کرتا ہوں ؛لیکن معاویہ ؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المؤمنین عثمان ؓ کے ولی اورخلافت کےسب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بہت نیک دل اورسادہ دل بزرگ تھے،اس خلاف بیانی سے ششدرہ گئے، چلاکر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے، یہ کیا بے ایمانی ہے عمروبن العاص ؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہوگئی،شریح بن ہانی نے عمروبن العاص ؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا،اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پرحملہ کردیا؛لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اورلوگوں نے بیچ بچاؤ کرکے رفت وگذشت کردیا، حضرت ابوموسیٰ ؓ کواس قدر ندامت ہوئی کہ اس وقت مکہ روانہ ہوگئے اورتمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی

پہلے گزرچکاہے کہ تحکیم کوحضرت علی ؓ کے اعوان وانصار میں سے معتد بہ جماعت نے

ناپسند کیا تھا؛ چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہوکر حرداد میں اقامت اختیار کی، حضرت علی ؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو سمجھانے کے لئے بھیجا، انہیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ ومباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوفہ لے آئے یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیر ؓ نے ان کی خاطر داری کے لئے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے، حضرت علی ؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا، پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کردوں، خدا کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا ،حاضرین میں اُس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ سب ایک ساتھ چلا آٹھے" لاحکم الا اللہ" یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آکر نہایت بلند آہنگی سے کہا:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (زمر:۶۵)

اے محمد تم اور تمہارے قبل انبیا پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب اعمال بیکار ہوجائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہوں گے۔"

حضرت علی ؓ نے برجستہ جواب دیا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ

توصبر کر، خدا کا وعدہ حق ہے اور جولوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کرلی، دومۃ الجندل کی تحکیم کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیا۔

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے؛ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بیدردی سے قتل کردیا، اسی طرح ام سنان اور صیداویہ کو مشق ستم بنایا اور جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا، حضرت علیؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لئے بھیجا، خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کردیا۔

جناب مرتضیٰؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرمارہے تھے ؛لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل وغارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کرکے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لئے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔

معرکہ نہروان

نہروان پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث ومباحثہ کرکے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں، جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا؛ لیکن ان کے قلوب تاریک ہوچکے تھے، اس لئے ارشاد وہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے،اور جناب امیرؓ نے مجبور ہوکر فوج کو تیاری کا حکم دیا، میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شیث بن ربعی، پیادہ پر حضرت ابوقتادہ انصاریؓ اور سواروں پر حضرت ابوایوبؓ کو متعین کرکے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرارؓ سے جنگ آزمائی ہونے میں پس وپیش تھا، ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کرکے علم حیدری کے نیچے پناہ لی،اورعبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے؛ لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے اس لئے انہوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کردیا کہ اگر جاں نثاران علیؓ میں غیر معمولی ثبات واستقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا، خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہوجاتے تھے؛ لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا،شریح بن ابی ادنیٰ کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہوکر لڑتا رہا،اسی طرح خارجی ایک ایک کرکے کٹ کر مر گئے، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے خارجی مقتولین میں

اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی؛ چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا اللہ اکبر! خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا۔"

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا؛ لیکن اشعث بن قیس نے کہا ''امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کر لینا چاہئے، جناب امیرؓ نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا؛ لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کوفہ کھسکنے لگے، یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو سر دست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

مصر کے لئے کش مکش

پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کئے تھے؛ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاریؓ کے سپرد ہوئی تھی، انہوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیرؓ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی صرف قصبہ خرتبا کے لوگوں کو تامل ہوا اور انہوں نے کہا جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس

وقت تک ان سے بیعت کے لئے اصرار نہ کیا جائے، البتہ والی مصر کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن وسکون کو صدمہ پہنچائیں گے، قیس بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انہوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا خلافِ مصلحت سمجھا اور انہیں امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی، اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا مطیع وفرماں بردار ہو گئے، اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

اسی سال یعنی ۳۸ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰ کی اطاعت سے برگشتہ کرکے اپنی حکومت کا طرفدار بنانے کے لئے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا، عبداللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی، قبیلۂ بنوتمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا، بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا؛ لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہواخواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کردیا، عین بن ضبعیہ کے بعد جناب امیر نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کرکے خاک سیاہ کردیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کرلی، امیر المومنین کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال

جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں؛ چنانچہ ایک خارجی خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نومسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرادیتا تھا، حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریق عمل

جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق واختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کردیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے مخصوص ہمدموں اور جانثاروں کے عزم وارادے بھی پست ہوگئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلوتہی کرنے لگے، جناب امیرؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پرجوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگِ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی؛ لیکن شیعان علیؓ کے دل ایسے پژمردہ ہوگئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہوچکی تھیں

کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علی ؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغۃ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، امیر معاویہ ؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے، انہوں نے شیعان علی کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے اب جارحانہ قدم اُٹھایا اور ۳۹ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضیٰ ؓ کو پریشانیوں میں اضافہ کریں؛ چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبداللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیاء پر ضحاک بن قیس نے واقصۃ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہ ؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعان علی ؓ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان وفارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا

حیدر کرار کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہ ؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رعبی پیدا ہوگئی، کرمان وفارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا، اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیئے اور ذمیوں نے خودسری اختیار کر لی، حضرت علی ؓ نے

اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کیا، زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لئے کوئی شخص موزوں نہیں ہوسکتا، اس لئے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے، انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کرکے امن وسکون پیدا کردیا، بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف ومدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہوگیا، ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلادی۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ حضرت علیؓ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے؛ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خودمختار ہوگئے تھے، ان کو قابو میں کرکے آگے قدم بڑھایا۔ [۱]

اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔ [۲]

۱۔(فتوح البلدان بلاذری باب سیستان وکابل)

۲۔(فتوح البلدان بلاذری باب سیستان وکابل)

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لئے کشمکش

امیر معاویہ ؓ نے ۴۰ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا، اس نے بغیر کسی مزاحمت و جنگ کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہ ؓ کے لئے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبیداللہ بن عباس کو بسر بن ابی ارطاۃ کے حملہ کے اطلاع کر دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہ ؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے، عبیداللہ بن عباس نے اپنے کو اس مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی، بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبیداللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور شیعان علی کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر ترکتاز شروع کر دی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا، حضرت علی ؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پر جوش خطبے دے کر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا، اور یہ

تقریریں ایسی مؤثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہوگئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی؛ لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف تین سو آدمی رہ گئے، جناب مرتضیٰ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کیا، امیرالمومنین بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے، عام منادی کرادیں کی بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، اب صورتِ حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کردیا اور معقل کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر بھی سپاہی مل سکیں جمع کرکے اسے لے آئیں؛ لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جام شہادت پلادیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اس جانگداز واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہوکر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؓ، معاویہؓ، اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہوسکتی؛ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے، عبدالرحمن بن ملجم نے کہا کہ میں علیؓ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح عبداللہ /نزال نے معاویہؓ اور عمرو بن بکر/عبداللہ نے عمرو بن العاص کے قتل کا بیڑہ اٹھایا، اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے، کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک

خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کردیا، اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰ کے خون کا مہر قرار دیا۔

غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا ،امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے،امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا، عمرو بن العاص اس دن امامت کے لئے نہیں آئے تھے،ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ عمرو بن العاص کے دھوکہ میں مارا گیا، جناب مرتضیٰ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا،آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آکر سو رہا تھا، جگایا، جب آپ نے نماز شروع کی اور سر سجدہ میں اور دل راز و نیاز الٰہی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی ابن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا،سر پر زخم آیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کرلیا۔ [۱]

حضرت علیؓ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لئے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کئے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی، جندب بن عبداللہ نے عرض کیا امیر المومنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں،فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود اس کو طئے کرو، اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں، قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا۔ [۲]

۱۔(طبری:۳۴۵۷،۳۴۵۸)

۲۔(ایضاً ص ۳۴۶۱)

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لئے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی ۲۰/رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل وکمال اور رشد وہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز وتکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کیں اورعزی، نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

خلافت مرتضوی پر ایک نظر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر ہوا اور اس پنجسالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون واطمینان کا نصیب نہ ہوا، اس لئے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہوگیا، ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی؛ لیکن ان گوناں گوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے؛ لیکن ان کارناموں پر نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق اختلاف اور شروفساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؓ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دارالخلافہ؛ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیض وغضب کو مشتعل

کر دیا، یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا؛ چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لئے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہوسکتا تھا؛ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔

۱۔ حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

۲۔ اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

۳۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوتِ بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

یہ وجوہ تمام جنگوں کی بناء قرار پائے، اس لئے غور کرنا چاہئے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰؓ کس حد تک اس میں معذور تھے، پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں؛ بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہو؛ چنانچہ انصار کرام بنو امیہ اور دوسرے وابستگان خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لئے پیش کیا تو

حضرت عثمان ؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت وخون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰ ؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا، ان کے لئے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا؛ چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا؛ لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ وغضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہوسکتی تھی، ام المومنین ام حبیبہ ؓ نے محاصرہ کی حالت میں عثمان ؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا، تو مفسدین نے ان کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علی ؓ نے سفارش کی کہ آب ودانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت علی ؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے [۱] اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگر حضرت عثمان ؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہ ؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل وحرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی؛ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسن نے اپنے پدر گرامی سے عرض کیا کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا، اس وقت جناب امیر نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید۔

البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل

۱۔(طبری:۳۸۰)

سے مراد وہ اشخاص ہیں جنہوں نے براہ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انہیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علیؓ کا فرض تھا؛ لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پوری تفتیش وتحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا، اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جاسکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی، اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے جن کا مطمع نظر صرف طلب اصلاح تھا، ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہؓ کے خنجر انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے؛ لیکن حضرت علیؓ اس میں مجبور تھے، اس وقت دنیائے اسلام مین تین فرقے پیدا ہو گئے تھے، شیعۂ عثمانؓ، یعنی عثمانی فرقہ جو اعلانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برحق سمجھتا تھا؛ لیکن اپنے ورع وتقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا؛ چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرام سے چلنے کے لئے کہا تو بہت سے محتاط صحابہ نے معذرت کی، حضرت سعد وقاصؓ نے کہا'' مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم وکافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لئے حاضر ہوں'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، خدا کے لئے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے، حضرت محمد بن

مسلمہ ؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پٹک ماروں گا وہ ٹکڑٹکڑے ہو جائے گی، حضرت اسامہ بن زید ؓ نے عرض کیا امیر المومنین! مجھے معاف کیجئے میں نے عہد کیا کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا، غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا، تیسرا گروہ شیعان علی ؓ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لئے جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے، تاہم آپ نے ان لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے، حضرت عمار بن یاسر ؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے، محمد بن ابی بکر ؓ خلیفہ اول کے صاحبزادے اور آغوش حیدر ؓ کے تربیت یافتہ تھے، اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح نیک سیرت اور جاں نثار تابعی تھے۔

غرض اسباب وعلل جو بھی رہے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو؛ لیکن یہ واقعہ کہ جناب مرتضیٰ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکا یک دنیائے اسلام میں افتراق واختلاف کی آگ بھڑک اُٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰ ؓ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا، اور اسلام کے سررشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جب عنان خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیائے اسلام نہایت پر آشوب تھی؛ لیکن دونوں حالتوں میں بین فرق

ہے،صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا؛لیکن یہ کفر وارتداا اور اسلام کا مقابلہ تھا،اس لئے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے،کل صحابہ ان کے معین ومددگار تھے،پھر خود حریف طاقتوں میں ہواوہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لئے ان کو زیر کرلینا نسبتاً آسان تھا،اس کے برخلاف جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے؛ بلکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب حرم حضرت عائشہ صدیقہؓ،آپ کے پھوبھی زاد اور ہم زلف وحواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ مبشر بالجنۃ صحابی اور غزوہ احد کے سپاہی جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہوگیا تھا اور اس صلہ میں انہیں بارگاہ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا،جیسے اکابر امت تھے ان کے علاوہ امیر معاویہ والیٔ شام جیسے مدبر تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا اور عمرو بن العاص فاتح مصر جیسے سیاست دان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسرحق سمجھتا تھا،ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار ووفا شعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعان علیؓ میں کم تھیں اس لئے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہد برآ ہونا بہت دشوار تھا۔

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہدواتقاء دینداری امانت،عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی،ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے طرفداروں کے لئے بیت

المال کا خزانہ لٹا رہے تھے، دوسری طرف حضرت علی ؓ ایک ایک خرمہرہ کا حساب لیتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علی ؓ کے طرفدار اوران کے بعض اعزہ تک دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے؛ لیکن بہر حال حق حق ہے اور باطل باطل، باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا، اگر حضرت علی ؓ ایسا نہ کرتے اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زہد تقویٰ اور دیانت وامانت کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے، ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا، اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰ ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علی ؓ کو انسان سے بالاتر ہستی؛ بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے، حضرت علی ؓ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں؛ لیکن جو وباء پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا، اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا، واقعہ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی؛ لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کردی۔

دوسری جماعت قراء اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی، معنی اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا؛ چنانچہ واقعہ تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حضرت علی ؓ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جاں نثار ووفا

شعار تھے؛ لیکن معرکہ صفین میں کامل جد و جہد کے بعد در مقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جاں نثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دئے تھے، غرض ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰ ؓ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم وثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات ومصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل وسلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا، اگر آپ تھوڑی سی دنیا داری سے کام لیتے تو کامیاب ہوجاتے ؛لیکن دین ضائع ہوجاتا جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا معرکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم ونسق

حضرت علی رضی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظم ؓ نے حجاز سے جلاوطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے، حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہوسکتا ہے۔ [۱]

۱۔(کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ومصنف ابن ابی شیبہ کتاب الغزوات)

عمال کی نگرانی

ملکی نظم ونسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے، حضرت علیؓ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا ،وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفیداور گراں بہانصائح کرتے تھے۔ [۱]

وقتاً فوقتاً عمال وحکام کے طرزعمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعب بن مالکؓ کواس خدمت پر مامورکیاتو یہ ہدایت فرمائی:

اخرت فی طائفۃ من اصحا بک حتی تمر بارض السواد کورۃ فتسالھم عن عمالھم وتنظر فی سیرتھم

تم اپنے ساتھیوں کاایک گروہ لےکرروانہ ہوجاؤاور عراق کے ہرضلع میں پھرو،عمال کی تحقیقات کرواوران کی روش پرغائرنظرڈالو۔''

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بدعنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے،ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سےقرض لےکر پانچسولونڈی اورغلام خرید کرآزاد کئے، کچھ دنوں کے بعدحضرت علیؓ نے سختی کےساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا،مصقلہ نے کہاخدا کی قسم عثمانؓ کےنزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی؛لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضہ کرتے ہیں اورناداری کے باعث مجبورہوکرامیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے،جناب امیرکومعلوم ہواتوفرمایا:

برحہ اللہ فعل فعل السید وفرفرار العبد وخان خیانۃ الفاجرااماواللہ لوانہ اقام فعجز مازدنا علی

۱۔کتاب الخراج:۷۹)

حبس فان وجدنالہ شیئا اخذ ناہ وات لم نقتہ علی مال ترکناہ

خدا اس کا برا کرے اس نے کام تو سید کا کیا؛ لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی خدا کی قسم اگر وہ مقیم ہوتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا۔''

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ واقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس ؓ عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی، حضرت علی ؓ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے؛ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔ ①

صیغۂ محاصل

حضرت علی ؓ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں، آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا، آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا؛ چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگذاری تشخیص کی گئی۔ ②

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے؛ لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی، حضرت علی ؓ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا

۱۔(ایضاً: ۳۴۵۳)

۲۔(کتاب الخراج ص ۵۰)

ضروری تھا اس لئے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کردی۔ [۱]

گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے؛ لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال رکھا تھا؛ چنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔ [۲]

رعایا کے ساتھ شفقت

حضرت علیؓ کا وجود رعایا کے لئے سایۂ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غرباء اور مساکین کے لئے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کردی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں؛ لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف وشفقت سے متاثر ہوکر کہتے تھے، خدا کی قسم! اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔

فوجی انتظامات

حضرت علیؓ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی، اس لئے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کئے؛ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں، ۴۰ھ میں جب امیر

۱۔(کتاب الخراج:۵۰)

۲۔(ایضاً:۴۴)

معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا، اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے نہایت مستحکم قلعے بنوائے، اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا۔ (۱)

جنگی تعمیر کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت، تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وتلقین ہے، حضرت علیؓ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے؛ چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی ان ہی کی کوشش سے پھیلی تھی، سورۂ براۃ نازل ہوئی تو اس کی تبلیغ واشاعت کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی۔

مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گوخانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے، ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہوگئے تھے حضرت علیؓ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہوکر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب مرتضیٰؓ کو خدا کہنے لگے

۱۔طبری:۵:۳۴۴۵

تھے، سزا دینے میں بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علی ؓ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں، مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کرادینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ؛ لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت علی ؓ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے، زندہ جلادینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی؛ مگر جب حضرت ابن عباس ؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی، (ترمذی حدود مرتد) شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علی ؓ نے اس کے لئے اسی کوڑے تجویز کئے۔ [۱]

درے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں، عورتوں کے لئے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزا دیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپادیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے، اسی طرح رجم کی صورت میں ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔ [۲]

اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا امیر المومنین! میں نے چوری کی ہے، حضرت علی ؓ نے

۱۔ (کتاب الخراج: ۹۹ اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود)

۲

غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا؛ لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔[۱]

تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لئے اقدام بغیر جرم کئے ہوئے مجرم بنانے کے لئے کافی نہیں ہے؛ چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا، حضرت علی ؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی۔[۲]

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں، ان پر حد جاری کرنے کے لئے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا؛ لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کئے جاتے تھے، وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا، ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔[۳]

تعزیزی سزا

حضرت علی ؓ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیزی سزائیں تھیں، حضرت عمر ؓ نے بھی اس قسم کی سزائیں جاری کی تھیں؛ چنانچہ ان کے عہد میں

۱۔(کتاب الخراج:۱۰۳)

۲۔(کتاب الخراج:۱۰۴)

۳۔(ایضاً:۱۰۰)

ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کے بجائے سو کوڑے لگوائے، کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

فضل وکمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، مسند میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ [١]

اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو خاص نہ تھا، (ایضاً : ٨٥) ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دوبار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔ [٢]

اکثر سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ ؓ سے "مسح علی الخفین" کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لئے حضرت علی ؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ [٣]

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخلفاء میں بارگاہ رسالت میں جناب امیر کے اس تقرب وتربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے؛ چنانچہ امام احمد بن حنبل ؒ کی

١۔ کتاب الخراج: ٨٥)

٢۔ (مسند جلد اول: ١٤٦)

٣۔ (ازالۃ الخفاء ج اول: ٨٣)

ایک روایت نقل کر کے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں۔

آپ کے تقرب واختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ (۱)

بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے، (ایضاً:۸۵) چند مخصوص حدیثیں بھی قلمبند کر لی تھیں، (ایضاً:۷۹) غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدا ہی سے علم وفضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی اس لئے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل وکمال کے مالک اور "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" (میں علم کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے۔ (۲)

نوشت وخواند کی تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی؛ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جبکہ آپ کی عمر بہت کم تھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (۳)

اسی لئے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام انجام دیتے تھے؛ چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتیب وفرامین لکھے جاتے تھے ان

۱۔ مسند احمد ج۱:۸۳)

۲۔ (جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰؓ میں ہے "انا دار الحکمۃ وعلی بابھا" لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے مستدرک ج۳: ۱۲۶، اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے)

۳۔ فتوح البلدان بلاذری:۴۷۷)

میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے؛ چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن

اسلام کے علوم ومعارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے،حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اوران صحابہ میں تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کرلیا تھا؛ بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اورشان نزول سے واقف تھے،ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتاسکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اورکس کے حق میں نازل ہوئی۔ [1]

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اورصحابہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے؛ چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے،مثلاً ابن جریر طبری ،ابن ابی حاتم ،ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسریں منقول ہیں،ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا،ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔

۱۔(ابن سعد جز ثانی قسم ثانی:۱۰۱)

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان الحکم الا اللہ، تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالی حکم بنانے کی اجازت دے وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا (النساء:۳۵)، اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہوجائے تو حکم بنانا ناجائز ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے۔ [۱]

علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا، ان کو درس وعظ سے روک دیتے تھے؛ چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔

آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے اسی لئے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں، ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا

۱۔(مسند ابن حنبل ج اول:۸۶)

قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اُگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں؛ لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے۔ [۱]

ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں، اس موقع میں حضرت علیؓ نے جو قسم کھائی ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی ومقصود کی مثال درخت کی ہے جو اس تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے، یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم نے اتنا بڑا اعظیم الشان درخت پیدا ہوجاتا ہے جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے، تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں، معنی ومطالب نکلتے ہیں۔

علم حدیث

جناب مرتضیٰؓ بچپن سے لے کر وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ورفاقت میں بسر کئے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام وفرائض اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے، پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب

۱۔(صحیح بخاری کتاب الدیات حنبل ج اول:۷۹،۱۰۰)

سے زیادہ آپ نے عمر پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات وافادات کی مسند پر جلوہ گر رہے، خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی، ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا اس لئے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا، اسی لئے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے؛ لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشتر خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے، اس لئے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں؛ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری ومسلم دونوں کا اتفاق ہے اور ۹ حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں ہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں ہیں، غرض صحیحین میں آپ کی کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے رفقاء اور ہمعصروں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہراؓ سے روایتیں کی ہیں، آپ کی عترت مطہرہ اور اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ ،محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ (صاحبزادے اور صاحبزادیاں) محمد بن عمر بن علی، علی بن حسین بن علیؓ (پوتے) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزوی (بھانجے) عام اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، بشیر بن شحیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم، صہیب رومی ؓ، ابن عباس ؓ، ابن عمر ؓ، ابن زبیر ؓ، عمرو بن حریث ؓ، نزال بن سبرہ ؓ، ہلال ؓ، جابر بن سمرہ ؓ، جابر بن عبداللہ ؓ، ابو جحیفہ ؓ، ابوامامہ ؓ، ابو لیلیٰ انصاری ؓ، ابوموسی رسی ؓ، مسعود بن حکم زرقی ؓ، ابوالطفیل ؓ، عامرین واثلہ، عبیداللہ بن ابی رافع (کاتب) اورام موسیٰ ؓ (جاریہ)۔

تابعین میں زربن جیش، زید بن وہب، ابوالاسود وئلی، حارث بن سوید التیمی، حارث بن عبداللہ الاعور، حرملہ مولیٰ بن زید ؓ، ابوساسان حفین بن منذر الرقاشی، حجیہ بن عبداللہ الکندی، ربعی بن حرابش، شریح بن ہانی، شریح بن النعمان الصائدی، ابووائل شقیق بن سلمہ، شیث بن ربیعی، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمرہ، عامر بن شراحیل الشعبی، عبداللہ بن سلمہ مرادی، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن معقل بن مقرن، عبدخیر بن یزید المرانی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلیمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمیر بن سعید النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان، مروان بن حکم اموی، مطرف بن عبداللہ ابن شخیر، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی، یزید بن شریک التیمی، ابوبردہ بن ابی الموسیٰ الاشعری، ابوحیہ وادعی، ابوالخلیل الحضرمی، ابوصالح الحضرمی، ابو الصالح الحنفی، ابوعبدالرحمن السلمی، ابو عبیدہ مولی ابن ازہرا، ابوالہیاج الاسدی وغیرہ (یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے) نے آپ سے فیض پایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیہ اقدس، آپ کی نماز

ومناجات ودعاونوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا۔[۱]

احادیث کو قلمبند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں، فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گزری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا، یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی، اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا، اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔[۲]

فقہ واجتہاد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فقہ واجتہاد میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی، ؛ بلکہ علم واطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی مستحضرانہ قوت سب سے اعلی ماننی پڑے گی، بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی کبھی کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔

فقہ واجتہاد کے لئے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی، انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے، مشکل

۱۔(ازالۃ الخفاء:۲۵۵)

۲۔(صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم ج ۲ وکتاب الاعتصام ومسند ابن حنبل ج۱:۷۰۹)

سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں؛ لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں، مثلاً ایک واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آ گئے۔[۱]

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے، انہوں نے کہا حالت احرام میں خود شکار کرکے کھانا منع ہے؛ لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علیؓ کا نام لیا؛ چنانچہ انہوں نے ان سے جا کر دریافت کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے، ایک گورخر شکار کرکے پیش کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان کو

۱۔(مسند ابن حنبل ج۱: ۱۴۰)

کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں، حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی، اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا جس میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا، اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا۔[۱]

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد، کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علی رضی اللہ عنہ سے جا کر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے؛ چنانچہ وہ سائل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔[۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور ان کے اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لئے مجبور ہوتے تھے؛ چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ

۱۔(مسند امام ابی عبداللہ احمد بن حنبل ج۱:۱۰۰ فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے، بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کرلیا)

۲۔(مسند ابن حنبل ج۱:۹۶ و ج۶:۵۵)

پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟۔ (۱)

فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعتِ نظر کی ایک وجہ یہ تھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے بعض ایسے مسائل جو شرم وحیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے؛ چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔

حضرت علیؓ اپنے علم وکمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے تھے، خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا مثلاً حضرت عثمان حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے اس لئے اب جائز نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ اور دوسرے صحابہ ہر حال میں جائز سمجھتے تھے، اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت علی رضی مرتضیٰؓ گوتمام عمر مدینہ منورہ میں رہے؛ لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گزرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا اس لئے آپ کے مسائل واجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی، اسی بنا پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہی فیصلوں پر ہے۔

۱۔(تاریخ الخلفاء بحوالہ سنن سعد بن منصور مسند ہشیم)

قضا اور فیصلے

حضرت مرتضیٰ ان ہی خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لئے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اقضانا علی واقرأنا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں"۔ (١)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت علیؓ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؓ کو "اقضاھم علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے؛ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضاء کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔

حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالی تمہاری زبان کو راہِ راست اور تمہارے دل کو ثبات واستقلال بخشے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔ (٢)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قضاء اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے؛ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا "علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف

١۔(طبقات ابن سعد ج ٢ قسم ٢: ١٠٢)

٢۔(مسند ابن حنبل ج اول: ٨٣ وحاکم ج ٣: ١٣٥)

ایک آدمی کا بیان سن کا فیصلہ نہ کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔ [۱]

مقدمات میں علم یقین کے لئے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اوران سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضا میں داخل تھا، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس سے پے در پے متعدد سوالات کئے، جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا۔ [۲]

اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا، اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے، اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیے، آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا۔ [۳]

یمن میں آپ نے دو عجیب وغریب مقدمات کا فیصلہ کیا، یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا پرانی باتیں بھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے، نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے، ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا، حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے، پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے

۱۔(مسند ابن حنبل ج اول:۹۶، ۱۴۳)

۲۔(ایضاً:۱۴۰)

۳۔(تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)

حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لیکر دلوادیئے، گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔[۱]

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لئے کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا، چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ اس کنوئیں میں گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی، تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا، ان مقتولین کے ورثاء باہم آمادہ جنگ ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو اس ہنگامہ وفساد سے روکا اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ فتنہ وفساد مناسب نہیں، میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربارِ رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو، لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی، آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک ایک تہائی، ، ایک ایک چوتھائی اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خوں بہا، دوسرے کو ثلث تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خوں بہا دلایا۔

لوگ اس بظاہر عجیب وغریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر

۱

حاضر ہوکر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔ [۱]

روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لئے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان ہیں، غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے، اس لئے عدم قصد واتفاق اور قصد وارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اس کو کم وبیش دلایا گیا، اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا اس لئے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلا دیا، باقی دو بچے تو دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔

اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی، اس لئے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خوں بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا، پہلا شخص گو اتفاقاً گرا مگر ایک دوسرے کو دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا اس لئے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا اس لئے وہ خوں بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی

۱۔ (مسند ابن حنبل ج اول: ۷۷)

میں اس کو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لئے وہ تہائی کا مستحق ہوا، دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لئے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا اس لئے اس کو نصف دلایا گیا، تیسرے نے چوتھے کو کھینچا حالانکہ وہ سب سے دور تھا اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لئے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا، نیز یہ کہ اس نے اپنے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا اس لئے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ (واللہ اعلم)

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا، دو شخص (غالباً مسافر) تھے، ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آ گیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا، جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا، یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے؛ لیکن اس نے کہا کہ حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے

چاہیے، اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہوگیا، آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا، تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کئے جائیں تو ۹ ٹکڑے ہوتے ہیں، تم اپنے ۹ ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہیں، تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے، اس لئے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے۔[1]

کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے، فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو، اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔[2]

حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس لئے ان میں تحریف بھی ہونے لگی؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس میں

۱۔(تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زر بن حبیش)

۲۔(ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)

کے ایک حصہ کو انہوں نے نقلی بتلایا اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؓ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (1)

علم اسرار و حکم

دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بنا پر ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا؛ بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالی نے ان احکام میں جزئی مصلحتیں رکھی ہیں، ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا، صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مذاقِ علم پہلی قسم کا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لئے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لئے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ۔ (2)

لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول

۱۔(مقدمہ صحیح مسلم)

۲۔(کتاب العلم)

جھٹلایا جائے۔

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی کوتاہ عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے، اس لیے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہیے کہ ہر مصالح الٰہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آسکتے ہیں۔

احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کے متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں، مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا:

اذا احدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحدیث فطنوا بہ الذی ھو اھدیٰ والذی ھو اتقی والذی ھو اھتا۔

(۱۳۰:)

جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ قرین ھدایت، زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہوں"

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے؛ لیکن یہ مسح نیچے تلوؤں پر نہیں؛ بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے، حضرت علی ؓ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

لوکان الدین بالرای لکان باطن المقدین احق بالمسح من ظاھرھما وقد مسح النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی اظھر خفیہ۔ (باب کیف المسح)

اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پا پر مسح فرمایا۔"

حضرت علی مرتضی کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد وغبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلوؤں پر مسح ہوتا؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا، اس لیے احکام الٰہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل ورائے کو دخل نہیں ہے۔

یہی روایت مسند ابن حنبل (جلد اول ص ۱۱۴) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے، یعنی ظاہر قیاس کا مقتضیٰ یہی تھا، مگر حکم الٰہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

تصوف

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت علی مرتضی ؓ کو اسرارِ شریعت پر عبور نہ تھا؛ بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزوں نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الٰہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے عدم عمل کے لیے حیلہ سازی اور فلسفیانہ بہانہ جوئی پیدا ہوتی ہے، خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لیے ان ہی کے لیے یہ علم موزوں ہے؛ چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصانِ امت کا حصہ ہے حضرت علی ؓ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے

بیان کیے ہیں۔

تصوف کے اکثر سلسلے سینۂ مرتضیؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ”اصول اور آزمائش وامتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضی ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا، مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔ [۱]

محدثین کے اصولِ روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیؓ کے یہ صوفیانہ اقوال پایۂ صحت کو نہیں پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصریؒ پر جا کر تمام ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضیٰؓ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے، مگر حضرت حسن بصریؒ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انہوں نے بلاواسطہ حضرت علیؓ سے کچھ سنا بھی ہے، بہرحال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا اور ان کے دیدار سے مشرف تھے، اور اس وقت ان کی عمر غالبا ۱۴، ۱۵ برس کی تھی۔

تقریر وخطابت

تقریر وخطابت میں حضرت علی مرتضیؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا اور مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے، تقریریں نہایت

۱۔(ازالۃ الخفاء:۲۷۴)

خطیبانہ مدلل اور مؤثر ہوتی تھیں، ۳۹ھ میں جب امیر معاویہ ؓ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا، اس سے زور تقریر اور حسن خطابی کا اندازہ ہوگا۔

أما بعد، فإن الجهاد باب من أبواب الجنة، من تركه ألبسه الله الذلة وشمله بالصغار، وسيم الخسف وسيل الضيم، وإنى قد دعوتكم إلى جهاد هؤلاء القوم ليلا ونهارا وسرا وجهارا، وقلت لكم، اغزوهم قبل أن يغزوكم، فما غزى قوم فى عقر دارهم إلا ذلوا واجترأ عليهم عدوهم، هذا أخو بنى عامر قد ورد الأنبار، وقتل ابن حسان البكرى، وأزال مسالحكم عن مواضعها، وقتل منكم رجالا صالحين، وقد بلغنى انهم كانوا يدخلون بيت المرأة المسلمة والأخرى المعاهدة فينزع حجلها من رجلها، وقلائدها من عنقها، وقد انصرفوا موفورين، ما كلم رجل منهم كلما، فلو أن أحدا مات من هذا أسفا ما كان عندى ملوما، بل كان جديرا، يا عجبا من أمر يميت القلوب، ويجتلب الهم ويسعر الأحزان من اجتماع القوم على باطلهم، وتفرقكم عن حقكم، فبعدا لكم وسحقا، قد صرتم غرضا، ترمون ولا ترمون، ويغار عليكم ولا تغيرون، ويعصى الله فترضون، إذا قلت لكم سيروا فى الشتاء قلتمكيف نغزو فى هذا القر والصر وإن قلت لكم سيروا فى

الصيف قلتم حتى ينصرم عنا حمارة القيظ. وكل هذا فرار من الموت، فإذا كنتم من الحر والقر تفرون فأنتم والله من السيف أفر، والذي نفسي بيده، ما من ذلك تهربون، ولكن من السيف تحيدون، يا أشباه الرجال ولا رجال، ويا أحلام الأطفال وعقول ربات الحجال، أما والله لوددت أن الله أخرجني من بين أظهركم وقبضني إلى رحمته من بينكم، وودت أن لم أركم ولم أعرفكم، فقد والله ملأتم صدري غيظا، وجرعتموني الأمرين أنفاسا، وأفسدتم على رأيي بالعصيان والخذلان

حمد ونعت کے بعد، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا، خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے، اور رسوائی کو شاملِ حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے، میں نے تم کو شب وروز اعلانیہ اور پوشیدہ، ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کریں میں حملہ کروں، کوئی قوم جس پر اس کے گھر میں آ کر حملہ کیا جائے وہ ذلیل ورسوا ہوتی ہے اس کا دشمن اس پر جری ہوتا ہے، دیکھو کہ عامری نے انبار میں آ کر ابن حسان بکری کو قتل کر دیا، تمہارے موروچوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا، تمہاری فوج کے چند نیکوکار بہادروں کو قتل کر ڈالا اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسنے اوران کے پاؤں سے ان کے پازیب، ان کے گلے سے ان کے ہار اتار لیے، ایک قوم کا باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے برگشتہ ہونا

کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا ہے اور غم و رنج کو بڑھاتا ہے، تمہارے لیے دوری و ہلاکت ہو تم نشانہ بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے؛ لیکن تم خود تیر نہیں چلا سکتے تم پر غارت گری کی جاتی ہے؛ لیکن تم غارت گری نہیں کرتے، خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو، جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سرما میں فوج کشی کرو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے تب، حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے، پس تم گرمی سردی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم! تلوار سے اور بھی بھاگو گے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے نہیں بھاگتے ؛ بلکہ تلوار سے جان چراتے ہو، اے مرد نہیں ؛ بلکہ مرد کی تصویرو! اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو، خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دے کر) اپنے رحمت نصیب کرے، میری تمنا تھی کہ تم سے جان پہچان نہ ہوتی، خدا کی قسم! تم نے میرا سینہ غیظ وغضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے وہ تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان ونافرمانی کرکے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔"

آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پثر مردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دیدیا تھا تاہم اس پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لیے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پرجوش صداؤں نے لبیک کہا۔

شریف رضی نے حضرت علی ؓ کے تمام خطبوں کو "نہج البلاغۃ" کے نام سے چار جلدوں

میں جمع کر دیا ہے اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنا دیا؛ لیکن نہج البلاغۃ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے، کیونکہ ان میں ایسے اصلاحات و خیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی رائج ہوئے ہیں اور ان میں حضرت علیؓ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کرسکتا۔ اور نہ ان سب کی اسناد ہیں۔

شاعری

جناب مرتضیٰؓ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو، چار احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں، مثلاً آپ کا وہ رجزیہ شعر جو معرکۂ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرۃ کلیث غابات کریہ المنظرۃ

لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں؛ بلکہ ایک پورا دیوان دیوانِ علیؓ کے نام سے موجود ہے جس کو افسوس ہے کہ طلباء اور علماء نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں، حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے، چہ جائیکہ افصح الفصحاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف، حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمۃ زہراؓ کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہیں۔

علم نحو کی ایجاد

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا، اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے؛ چنانچہ ابوالاسود دوئلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا، (فہرست ابن ندیم) اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

فضائل و مناقب

(۱) عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (لشکر) روانہ کیا اور اس لشکر کا امیر علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، چنانچہ وہ اس سریہ (لشکر) میں گئے، پھر ایک لونڈی سے انہوں نے جماع کر لیا ا۔ لوگوں نے ان پر نکیر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے چار آدمیوں نے طے کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ہم ملیں گے تو علی نے جو کچھ کیا ہے اسے ہم آپ کو بتائیں گے، اور مسلمان جب سفر سے لوٹتے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے اور آپ کو سلام کرتے تھے، پھر اپنے گھروں کو جاتے، چنانچہ جب یہ سریہ واپس لوٹ کر آیا اور لوگوں نے آپ کو سلام کیا تو ان چاروں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ علی نے ایسا ایسا کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منہ پھیر لیا، پھر دوسرا کھڑا ہوا تو دوسرے نے

بھی وہی بات کہی جو پہلے نے کہی تھی تو آپ نے اس سے بھی منہ پھیر لیا، پھر تیسرا شخص کھڑا ہوا اس نے بھی وہی بات کہی، تو اس سے بھی آپ نے منہ پھیر لیا، پھر چوتھا شخص کھڑا ہوا تو اس نے بھی وہی بات کہی جو ان لوگوں نے کہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے چہرے سے ناراضگی ظاہر تھی۔ آپ نے فرمایا: "تم لوگ علی کے سلسلہ میں کیا چاہتے ہو؟ تم لوگ علی کے سلسلہ میں کیا چاہتے ہو؟ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ دوست ہیں ہر اس مومن کا جو میرے بعد آئے گا"۔ [۱]

(۲) علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ ابو بکر پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنی لڑکی سے میری شادی کر دی اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) لے کر آئے اور بلال کو اپنے مال سے (خرید کر) آزاد کیا، اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے وہ حق بات کہتے ہیں، اگر چہ وہ کڑوی ہو، حق نے انہیں ایسے حال میں چھوڑا ہے کہ (اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ) ان کا کوئی دوست نہیں، اللہ عثمان پر رحم کرے ان سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں، اللہ علی پر رحم فرمائے، اے اللہ! حق کو ان کے ساتھ پھیر جہاں وہ پھریں"۔ [۲]

(۳) ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ ہم سے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے » رحبہ « (مخصوص بیٹھک) میں بیان کیا، حدیبیہ کے دن مشرکین میں سے کچھ لوگ ہماری

---

[۱]۔ امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف جعفر بن سلیمان کی روایت سے جانتے ہیں۔

[۲]۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ۱- یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں،

طرف نکلے، ان میں سہیل بن عمرو اور مشرکین کے کچھ اور سردار بھی تھے یہ سب آ کر کہنے لگے: اللہ کے رسول! ہمارے بیٹوں، بھائیوں اور غلاموں میں سے کچھ آپ کی طرف نکل کر آ گئے ہیں، انہیں دین کی سمجھ نہیں وہ ہمارے مال اور سامانوں کے درمیان سے بھاگ آئے ہیں، آپ انہیں واپس کر دیجئیے اگر انہیں دین کی سمجھ نہیں تو ہم انہیں سمجھا دیں گے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے گروہ قریش! تم اپنی نفسیانیت سے باز آ جاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ایسے شخص کو بھیجے گا جو تمہاری گردنیں اسی دین کی خاطر تلوار سے اڑائے گا، اللہ نے اس کے دل کو ایمان کے لیے جانچ لیا ہے، لوگوں نے عرض کیا: وہ کون شخص ہے؟ اللہ کے رسول! اور آپ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی پوچھا: وہ کون ہے اللہ کے رسول؟ اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہ وہ کون ہے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: ”وہ جوتی ٹانکنے والا ہے، اور آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جوتا دے رکھا تھا، وہ اسے ٹانک رہے تھے، (راوی کہتے ہیں) پھر علی رضی اللہ عنہ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”جو میرے اوپر جھوٹ باندھے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے“۔ [1]

(۴) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر بیان فرمایا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو اسلامی علم دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا، راوی نے بیان کیا کہ رات کو لوگ یہ سوچتے رہے کہ دیکھیئے علم کسے ملتا ہے، جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

۱۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ۱- یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، ہم اسے اس سند سے صرف ربعی ہی کی روایت سے جانتے ہیں

سب حضرات (جو سر کردہ تھے) حاضر ہوئے، سب کو امید تھی کہ علم انہیں ہی ملے گا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان کی آنکھوں میں درد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ان کے یہاں کسی کو بھیج کر بلوالو، جب وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں اپنا تھوک ڈالا اور ان کے لیے دعا فرمائی، اس سے انہیں ایسی شفاء حاصل ہوئی جیسے کوئی مرض پہلے تھا ہی نہیں، چنانچہ آپ نے علم انہیں کو عنایت فرمایا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان سے اتنا لڑوں گا کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں (یعنی مسلمان بن جائیں) آپ نے فرمایا: ابھی یوں ہی چلتے رہو، جب ان کے میدان میں اترو تو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اللہ کے ان پر کیا حقوق واجب ہیں، اللہ کی قسم اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بہتر ہے۔[۱]

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے۔[۲]

(٦) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا (مدینہ میں) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کو تشریف لے گئے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں

۱۔ صحیح بخاری ۳۷۰۱
۲۔ صحیح بخاری ۳۷۰٦

میں چھوڑے جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم خوش نہیں ہوتے اس بات سے کہ تمہارا درجہ میرے پاس ایسا ہو جیسے ہارون علیہ السلام کا تھا موسیٰ علیہ السلام کے پاس، پر میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔“ (۱)

(۷) براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر آئے، آپ نے راستے میں ایک جگہ نزول فرمایا اور عرض کیا: »الصلاۃ جامعة«، یعنی سب کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا، پھر علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ”کیا میں مومنوں کی جانوں کا مومنوں سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟“، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا میں ہر مومن کا اس کی جان سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟“، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ (علی) دوست ہیں اس کے جس کا میں دوست ہوں، اے اللہ! جو علی سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ، جو علی سے عداوت رکھے تو اس سے عداوت رکھ“۔ (۲)

(۸) بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ نے مجھے چار افراد سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے، اور مجھے بتایا ہے کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے“، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”علی انہیں لوگوں میں سے ہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین بار فرمایا)،

۱۔ صحیح مسلم ۶۲۱۸

۲۔ ابن ماجہ ۱۱۶ صحیح

اورابوذر، سلمان اور مقداد ہیں"۔ (۱)

(۹) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر رحم کرنے والے ابوبکر ہیں، اللہ کے دین میں سب سے زیادہ سخت اور مضبوط عمر ہیں، حیاء میں سب سے زیادہ حیاء والے عثمان ہیں، سب سے بہتر قاضی علی بن ابی طالب ہیں، سب سے بہتر قاری ابی بن کعب ہیں، سب سے زیادہ حلال وحرام کے جاننے والے معاذ بن جبل ہیں، اور سب سے زیادہ فرائض (میراث تقسیم) کے جاننے والے زید بن ثابت ہیں، سنو! ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے، اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں" (۲)

(۱۰) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دسویں شخص تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، سعد جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن جنت میں ہیں"، سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: نواں کون تھا؟ بولے: "میں"۔ (۳)

اخلاق

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن

۱۔ ابن ماجہ ۱۴۹

۲۔ ابن ماجہ ۱۵۴

۳۔ ابن ماجہ ۱۳۳

عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لیے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسنِ تربیت کا نمونہ تھے، آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک وکفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے، شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جا سکتا۔

امانت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتداء ہی سے امین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ [1]

اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی، اس کا اندازہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں، امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک نارنگی اٹھالی، جناب امیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کردی۔ [2]

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہوجائیں، ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، اس میں ایک روٹی بھی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی

۱۔(اسد الغابہ ج ۴: ۱۹)

۲۔(ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ)

سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا، ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔[1]

زہد

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی؛ بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا، آپ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان وشکوہ کا درگزر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطابؓ نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان ہی میرے لیے بس ہے۔

بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد وقناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا، حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے، اسی نئی زندگی کے ساز وسامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز وسامان اپنے میکہ سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا، چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر

۱۔(ایضاً ابو عمر: ۲۶۶)

سے دھواں نہیں اٹھتا تھا، بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کمالائیں، عوالی (مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی کا نام عوالی تھا) مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کررہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے، یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت ومشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں؛ لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی بجنسہٖ لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔ [۱]

ایامِ خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، موٹا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا، امیر المومنین! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے، فرمایا ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔ [۲]

در دولت پر کوئی حاجب نہ تھا نہ دربان، نہ امیر نہ کروفر نہ شاہانہ تزک واحتشام اور عین

۱۔(مسند ابن حنبل ص ۱۳۵)

۲۔(مسند احمد ج ۱:۷۸)

اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زرو جواہر اگل رہی تھی، اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ دادو دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ: میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا'' امیر المومنین! میں تہہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی، ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے اس لیے واپس آکر سو رہی، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتا دوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کی تعلیم دی۔ [۱]

عبادات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے، کلام پاک کی اس آیت:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۝ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا'' (الفتح:۲۹)

۱۔(بخاری، بَابُ التَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحِ عِنْدَ الْمَنَامِ، حدیث نمبر: ۵۸۴۳)

’’محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحمدل ہیں، تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضا مندی کی جستجو کرتے ہیں۔‘‘

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ سے ابوبکر صدیقؓ، اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے عمر بن الخطابؓ، رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے عثمان بن عفانؓ، رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی ابن ابی طالبؓ اور یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں، (تفسیر فتح البیان ج ۹:) اس سے عبادت میں تمام صحابہ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوئی ہے کیونکہ رکوع و سجود جو تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا، پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کان ما علمت صواما قواما۔ [۱]

جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے۔‘‘

زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں:

لم ارھا شمیا قط کان اعبد اللہ منہ۔ [۲]

۱۔(ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہ)

۲۔(مستدرک حاکم ج ۳:۱۰۸)

میں نے کسی ہاشم کو نہیں دیکھا جوان سے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو۔"

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دنوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر پڑھ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں، ابن کواء نے کہا کہ "صفین کی شب میں بھی نہیں؟ فرمایا' صفین کی شب میں بھی نہیں۔" (۱)

انفاق فی سبیل اللہ

حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے؛ لیکن دل غنی تھا کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتی کہ قوت لا یموت تک دے دیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کیے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، اب پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدادی، حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا؛ لیکن تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے

۱۔(مسند ابن حنبل ج ۱: ۱۰۷)

کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مرد خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں، وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا (دھر:۸) کی آیت نازل ہوئی۔ [۱]

تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت ومزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا، لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانکتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسمِ انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سادگی نہایت پسند آئی، خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: اجلس یا ابا تراب۔ [۲]

مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر

۱۔(بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ)
۲۔(بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ)

دوڑ جاتی۔

ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی ،عموماً چھوٹی آستین اوراونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کی تہہ بند باندھتے ، بازار میں گشت کرتے پھرتے ، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہولیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔

شجاعت و بسالت حضرت علیؓ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا، آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے ، اسلام میں سب سے پہلا غزوۂ بدر پیش آیا،اس وقت حضرت علیؓ کا عنفوان شباب تھا؛ لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی دادِ شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔

آغازِ جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا، ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ آئے اوراس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہ اور حضرت علیؓ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا،غزوۂ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا،اس نے مبازرت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دوٹکڑے ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرطِ مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔

غزوۂ خندق میں بھی پیش پیش رہے؛ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبازرت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان

میں جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی خداوندا! تو اس کے مقابلہ مین ان کا مددگار ہو، اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کر لی۔

غزوہ خیبر کا معرکہ حضرت علیؓ ہی کی شجاعت سے سر ہوا، جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں؛ چنانچہ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلے میں آیا، اس کے جواب میں حضرت علی مرتضی رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا، خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

غزوات میں غزوہ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائلِ عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی؛ لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ ہر موقع پر ممتاز رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی شامل تھے، آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعتہ تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثبات قدم رہے، ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰؓ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک

حدیث میں آیا ہے کہ" بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے؛ بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے، حضرت علی مرتضیٰؓ اس میدان کے مرد تھے، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گزرا؛ لیکن بایں ہمہ انہوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ ان کی حریف تھیں؛ لیکن جب ایک ضبی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیرت دریافت کی اور ان کو ان کے طرفدار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی، حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے؛ لیکن ان پناہ گزین دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا۔

جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مالِ غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتیار ڈال دے اس کو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور جنگ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے، مگر جب ان کا قاتل ابن جرموز ان کا مقتول سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ''فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے۔

مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ 'فرزندِ صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔ [۱]

جنگ جمل کے میدان میں جب آپ فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے، تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے، جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا: اے قریش کا شکرہ!

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا؛ لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا، مثلہ نہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا، میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑوں گا، دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی

۱۔ (مستدرک ج ۳: ۳۶۷)

اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟

اصابت رائے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا؛ چنانچہ آپ تمام مہماتِ امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے، واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا، ان میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوہ طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکر وعمرؓ دونوں کے مشیر تھے؛ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین وانصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی، اس کے رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں؛ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے، ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا۔

لولا علی لھلک عمر اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہوجاتا۔

اس اعتماد کی بنا پر بعض امور میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی

رائے پر ترجیح دی ہے، معرکہ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بے حد مشوش کر دیا، تو انہوں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی، حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام ویمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدانِ جنگ تشریف لے جائیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام ویمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے۔

حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ وفساد سے محفوظ رہتا؛ بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا:

ما اجد فیھا الا ما قال علی

میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علی نے کیا۔

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت۔ [۱]

اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی۔"

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہاں مناسب ہوگا۔

وہ لکھتے ہیں:

''بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں، مثلاً شجاعت، قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیضِ ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا، ریاض النضرہ میں ہے کہ جب وہ راہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکے ہوئے چلتے تھے، اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا، وہ تقریباً فربہ اندام تھے، ان کی کلائیاں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے اور دل کے مضبوط تھے، جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے، بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت کیا تو

۱۔(ازالۃ الخفاء:۲۶۹)

مقام محبت ان کے لیے ایک مسلمہ چیز بن گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے، فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق، دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جسے فیض ربانی نے ان کے سوابق اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت:

ھذان خمصان اختصموا

ان دونوں فریق نے باہم مخاصمت کی۔

ان کی اور ان کے رفقاء کی شان میں نازل ہوئی، امام بخاری نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کے لیے دوزانو بیٹھے گا، قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت:

ھذان خصمان اختصموا فی ربھم

ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخاصمت کی۔

ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہ ؓ، علی ؓ اور عبیدہ بن الحارث ؓ، شیبہ بن ربیعہ ؓ، عتبہ اور ولید بن عتبہ۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی، وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں

کرتے تھے، لوگوں کی خاطر مدارت میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے، فیض ربانی نے ان کے ان اخلاق سے نہی المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا، حاکم نے حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت کی ہے، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا ''لوگو! علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم! خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے" حضرت عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی ذات کے معاملہ میں علی ؓ سخت ہیں۔"

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچازاد بھائی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمیت تھی، وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے، یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے، جب فیض ربانی نے اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح وتفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جس کی تعبیر اخوت رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے، حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچیرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا وآخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا؛ لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ؓ سے فرمایا کہ تم دنیا وآخرت میں میرے ولی ہوئے، حاکم نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں

فرماتے تھے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے:

افائن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم

اگر وہ مر گیے یا مارے گیے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔

خدا کی قسم! جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیریں گے خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کرتے تھے، ہم بھی اس کے لیے لڑیں گے، یہاں تک کہ مر جائیں، خدا کی قسم! میں آپ کا بھائی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا وارث ہوں، ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق دار کون ہے۔[۱]

اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط وتفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہوگئی، ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لیے اخوت نسبتی شرط ہے۔

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک زہد اور شہوت نفسانی سے اجتناب ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو، انہوں نے کہا کہ امیر المومنین اس سے مجھے معاف فرمایئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار

۱۔ (مستدرک کی روایت اور ازالۃ الخفا کی روایت میں تھوڑا سا فرق ہے، اس ترجمہ میں اصل مستدرک کی روایت کا لحاظ رکھا گیا ہے)

کیا ضرار بولے، اگر اصرار ہے تو سنیے وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی، دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے، بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا، ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے، باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے؛ لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے، وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اس کے باطل میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے، ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے، ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے، یا میری مشتاق ہوتی ہے، افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی، تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے، آہ! زادِ راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے، راستہ وحشت خیز ہے''

یہ سن کر امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا خدا ابوالحسن پر رحم کرے، خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے، ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیموں آجاتے تھے اور حسنؓ و حسینؓ ان میں سے کوئی لیموں لے کر کھانے لگتا تو وہ اس کو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے، ابوعمرو سے روایت ہے کہ وہ فے کی تقسیم میں حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ اختیار کرتے تھے، یعنی جب ان کے پاس آتا تھا تو سب تقسیم کردیتے تھے اور فرماتے اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے اور خود اس سے اپنے لیے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی تخصیص کرتے تھے، حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے:

قد جاء تکم موعظۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیز ان بالقسط ولا تذخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین وما انا علیکم بحفیظ

تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت آچکی ہے تو ناپ جوکھ کر انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کا ثواب تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم ایماندار ہو اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔"

جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس

کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں جو تمہارے ہاتھوں سے لے لے، پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

مجمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اس کو حضرت علیؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دے دی جائے اور اس میں نماز پڑھی تا کہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔

حضرت کلیبؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انہوں نے اس کے سات حصے کیے، اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا، پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے۔

ان کے محاسنِ اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اس کو اپنے لیے گوارہ کر لیتے تھے، خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچھانے کے لیے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی، ضمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو جہیز میں ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور

کی پتیاں بھری ہوئی تھیں، ایک چکی، ایک مشک اور دو گھڑے دیے، ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم کی درخواست کرو، انہوں نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی آبلے پڑ گئے؛ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، بیٹی کس غرض سے آئی ہو؟ بولیں سلام کرنے؛ لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں، حضرت علیؓ نے پوچھا، تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی، دوبارہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے، ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا، یہ جواب پا کر دونوں لوٹ آئے، ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں، یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر دونوں اُٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس

چیز سے بہتر ہے جس چیز کو تم مجھ سے مانگ سکتے ہو، دونوں نے کہا، ہاں! فرمایا، مجھ کو جبرئیل نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح اور دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو، اس طرح تم دونوں سوتے وقت ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے، اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا، ابن کواء نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا، نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھے سخت بھوک لگی، کھانے کو کچھ نہ تھا اس لیے عوالی میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، ایک عورت ملی، جس نے ڈھیلے اکھٹے کیے تھے، میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو وہ بھگوانا چاہتی ہے؛ چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور ۱۶ ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا۔ [۱]

خانگی زندگی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی؛ جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے، اس سے پہلے آپ

۱۔(ازالۃ الخفاء کا خلاصہ ختم ہوا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے کسب معاش کے لیے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی؛ چنانچہ قرب وجوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لاکر بیچنے کا ارادہ کیا، حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا، حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا، کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے۔ (۱)

آخر زرہ بیچ کر سامان کیا، اس زرہ کی قیمت بھی روپیہ سوا روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد جب علیحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی، چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، محنت مزدوری اور جہاد کے مالِ غنیمت پر گزراوقات تھی، خیبر فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لیے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا، خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال

۱۔(ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس)

ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ (۱)

اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تمول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؓ نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب میں تمہارے خلافِ مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہ ہوا، حضرت علیؓ بھی ان کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا، حضرت فاطمہؓ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے، دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنیفہؓ سے بھی

۱۔(مسند ابن حنبل ج۱:۱۵۹)

نہایت محبت تھی؛ چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسن ؓ سے ان کے ساتھ لطف ومحبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

غذا ولباس

حضرت علی ؓ کے غیر معمولی زہد وورع نے ان کی معاشرت کونہایت سادہ بنادیا تھا، کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے، عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے؛ چنانچہ فرمایا کرتے تھے ''العمامۃ تیجان العرب'' یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے، تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں، بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر ''اللہ الملک'' نقش تھا۔

حضرت علی ؓ پر سردی گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں ان کے لیے دعا فرمائی تھی، اللھم اذھب عنہ الحر والبرد یعنی اس سے گرمی وسردی دور کر، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑے

میں زیب تن فرماتے اوراس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ [۱]

حلیہ

قدمیانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق وخوبصورت، سینہ چوڑا اس پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر میں بال نہ تھے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں، ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے، مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی، آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

ازواج واولاد

سیدہ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، ان سے ذکور میں حسن، حسین، محسن اور لڑکیوں میں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں، محسنؓ

۱۔(مسند احمد ج ۱:۹۹)

نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

ام البنین بن حزام: ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے، ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بن مسعود: انہوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا؛ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسین ؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

اسماء بنت عمیس: ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے

صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ: یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں، عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔

امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینب ؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

خولہ بنت جعفر: محمد بن علی، جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ام سعید بنت عروہ: ان سے ام الحسن اور رملۂ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

محیاۃ بنت امرء القیس: ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی، متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد **لونڈیاں** بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں:

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ ام الکرام ، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

غرض حضرت علی ؓ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، جن سے سلسلہ نسل جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں:

امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عمر

(رضی اللہ عنہم)۔